غزل اردو شاعری کی سب سے مقبول اور سب سے جاندار صنف ہے۔ دوسری تمام شعری اصناف مختلف ادوار میں عروج وزوال کی دھوپ چھاؤں سے دوچار ہوئیں لیکن غزل کے آنگن میں ہمیشہ دھوپ ہی دھوپ کھلی رہی۔ غزل حقیقتاً" اردو شاعری کی آبرو" ہے۔ غزل صنفِ سخن ہی نہیں معیارِ سخن بھی ہے۔"[4]لفظ غزل کا ادبی مطلب محبوب سے گفتگو ہے۔ تاریخ کی رو سے یہ عربی لفظ غزل سے بنا ہے۔ جس کے معنیٰ ہرن کے ہیں۔ جو عام فہم زبان میں غزل ایک ایسی پابند منظوم صنف ہے۔ جس میں سات۔ نو یا درجن بھر یکساں وزن اور بحر کے جملوں کے جوڑے ہوں۔ اس کا آغاز جس جوڑے سے ہوتا ہے وہ مطلع کہلاتا ہے اور اختتام کے جوڑے کو مقطع کہتے ہیں۔ جس میں شاعر اپنا تخلص یا نام استعمال کرتا ہے۔ غزل کے شعر میں ہر جوڑے ہر انفرادی جملے کا یکساں دراز ہونا لازمی ہوتا ہے۔ پابند جملوں کے یہ جوڑے شعر کہلاتے ہیں۔ اردو میں شعر کی جمع اشعار کہلاتی ہے۔ غزل کے بنیادی نظریہ اور تعریف کے مطابق اس کا ہر شعر اپنی جگہ ایک آزاد اور مکمل منظوم معنیٰ رکھتا ہے۔ کسی بھی شعر کا خیال اگلے شعر میں تسلسل ضروری نہیں ہوتا۔ ایک غزل کے اشعار کے درمیان مرکزی یکسانیت کچھ الفاظ کے صوتی تاثر یا چند الفاظ کا ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں تکرار سے ہوتا ہے۔ اس سے ہٹ کر بھی کسی غزل کے ایک سے زیادہ اشعار کسی ایک ہی خیال کو مرکزی ظاہر کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر شعر اپنی جگہ منظوم قواعد وضوابط کا پابند ہونا چاہیے۔ جن غزلوں میں ایک سے زائد اشعار ایک ہی مرکزی خیال کے لئے ہوتے ہیں ان کو نظم یا نظم نما غزل بھی کہا جا سکتا ہے۔

1.1 غزل کا فن:

اردو میں لفظ نظم کا واضح مطلب جملوں کے اختتام پر وزن اور صوتی اثر کا مساوی ہونا ہے۔ غزل کے ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں آخری ایک دو یا زیادہ سے زیادہ تین الفاظ پوری غزل کا توازن بر قرار رکھتے ہیں۔ غزل کے مطلع کا پہلہ مصرعہ بھی انہی الفاظ پر ختم ہونا چاہیے۔ اسے غزل کا ردیف کہتے ہیں ردیف سے پہلے کا لفظ منظوم ہونا ضروری ہے۔ علامہ اخلاق حُسین دہلوی نے اپنی تصنیف 'فن شاعری' میں ردیف سے متعلق کہا ہے" ردیف کے بدلنے سے قافیے کی حیثیت بدل جاتی ہے اور ایک ہی قافیہ کئی طریق سے بندھ ہو سکتا ہے جس سے مضامین وسعت اور رنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔ ردیف جتنی خوشگوار اور اچھوتی ہوتی ہے اتنا ہی ترنم اور موسیقی میں اضافہ ہوتا ہے۔"[5] قافیہ ہی غزل کی بنیادی ضرورت ہے۔[6] قافیہ غزل میں اس مقام پر آتا ہے جہاں موسیقی میں طبلے کی تھاپ دونوں میں تاخر اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ ردیف اور قافیہ دونوں بحر کی موج پر اُبھرتے ہیں۔ بحر کا انتخاب غزل گو شعوری طور پر نہیں کرتا، یہ جذبہ اور کیفیت سے متعین ہوتی ہے۔ غزل کا پہلا مصرع جذبے یا کیفیت کے ساتھ خود بخود ذہن سے گنگناتا ہوا نکلتا ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ بحر معین ہو چکی ہے، قافیہ بھی معین ہو چکا ہے، اور اگر ردیف ہے تو وہ بھی غزل کی ہئیت کا اس کے اسلوب پر بھی اثر پڑتا ہے۔ غزل کا اسلوب ایجاز واختصاد رمز وکنایہ 'مجاز، تمثیل، استعارہ وتشبیہ سے مرکب ہے اس لیے اس میں وہ تمام خوبیاں اور خامیاں ملتی ہیں جو سخنِ مختصر کی خصوصیات ہیں۔

غزل بنیادی طور پر ایک انفرادی فنکارانہ عمل ہے۔ لیکن اس کے جذبات کی عمومیت مسلّم ہے جو سرشت انسانی کی وحدت اور جبلّتوں کی یکسائی پر مبنی ہے۔ اور یہ عُمومیت ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کا احاطہ کرتی ہے۔[7] غزل کے فن سے متعلق اختر سعید خاں کا خیال ہے" غزل کا فن نرم آنچ سے جلایا تا ہے' بھڑکتے ہوئے شعلوں سے نہیں۔ قدیم غزل ہو یا جدید اس کی اپنی ایک تہذیب ہے۔ وہ اشاروں اور کنایوں میں بات کرتی ہے' اونچی آواز میں نہیں بولتی' اس ک اکمال گویائی برہنہ حرفی نہیں' پیام زیر لبی ہے۔ غزل کا فن نہ سینہ کوبی ہے نہ قہقہہ لگانا۔ وہ ایک آنسو ہے پلکوں پر ٹھہرا ہوا' ایک تبسم ہونٹوں پر پھیلا ہوا۔ کبھی اس کے تبسم میں اشکوں کی نمی ہوتی ہے اور کبھی اشکوں میں تبسم کی جھلک۔"[8] غزل کے فن سے متعلق لکھا ہے" غزل کا فن دراصل رمزیت اور ایمائیت کا فن ہے۔ دیگر اصنافِ سخن کے مقبلہ میں غزل اپنے فن کی اسی جاذبیت کی وجہ سے ممتاز رہی ہے۔[9] غزل کی تبدیلیوں سے متعلق حامد کاشمیری نے اپنی تصنیف' اردو تنقید (منتخب مقالات' میں الطاف حسین حالی کے نظریات پیش کیے ہیں۔ جس میں سب سے پہلے تخّیل کا ذکر ہے جس میں سب مقدّم اور ضروری چیز ہے۔ جو کہ شاعر کو غیر شاعر سے تمیز دیتی ہے۔ اس کے بعد تخّیل کی تعریف کے تحت تخیل یا امیج نیشن کی تعریف کرنی بھی ایسی ہی مشکل ہے۔ جیسے کہ شعر کی تعریف اور اس کی وضاحت کی ہے۔ دوسری شرط کائنات کا مطالعہ بتاہے۔ جس میں اگر قوتِ متخیلہ اس حالت میں بھی جب کی شاعری کی معلومات کا دائرہ نہایت تنگ اور محدود ہو اسی معمولی ذخیرہ سے کچھ نہ کچھ نتائج نکال سکتے ہیں۔ لیکن شاعری میں کمال فطرتِ انسانی کا' مطالعہ' نہایت غور سے کیا جائے۔ تیسری شرط تلفظ الفاظ کی بیان کی گئی ہے۔ جس میں کائنات کے مطالعہ کی عادت ڈالنے کے بعد دوسرا نہایت ضروری مطالعہ یا تفحص ان الفاظ کا ہے جن کے ذریعہ سے خاطب کو اپنے خیالات مخاطب کے روبرو پیش کرنے ہیں۔ دوسرا مطالعہ بھی ویا ہی ضروری اور اہم جیسا کہ پہلا۔ ان اصولوں سے متعلق چند ضروری باتیں ہیں جن کا خیال رکھانا چاہیے۔

" شعر کے وقت ضروری ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اوّل خیالات کو صبر و تحمّل کے ساتھ الفاظ کا لباس پہنانا پھر ان کو جانچنا اور تولنا اور ادائے معنی کے لحاظ سے ان میں جو قصور رہ جائے اس کو رفع کرنا۔ الفاظ کو ایسی ترتیب سے منظم کرنا کہ صورۃً اگرچہ نثر سے متمیز ہو مگر معنی اسی قدر ادا کرے جیسے کہ نثر میں ادا ہو سکتے۔ شاعر بشر طیکہ شاعر ہو اول تو وہ ان باتوں کا لحاظ وقت پر ضرور کرتا ہے اور اگر کسی وجہ سے بالفعل اس کو زیادہ غور کرنے کا موقع نہیں ملتا تو پھر جب کبھی وہ اپنے کلام کو اطمینان کے وقت دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اثر بڑے بڑے شاعروں کا کلام مختلف نسخوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ پایا جاتا ہے۔"[10]

ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے مشرقی میں المیہ کی معنویت کی وضاحت غزل کی روح سے کیا ہے۔ کیوں کے غزل کے جذبہ' غم کو مغربی ادب کی ٹریجیڈی (المیہ) کے مساوی قرار دیا ہے۔ کیوں کہ لفظ غزل کے ایک معنی اس دل گداز چیخ کے ہیں جو شکاری کے طویل تعاقب، اس کے خوف اور تھکن سے گر پڑنے والے ہرن کے حلق سے نکلتی ہے۔ جس کی تاثیر سے شکاری کتا ہرن کو پا کر بھی اس سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔[11]

گویا حُزنیہ لَے اور المیہ غزل کی ہئیت ترکیبی میں شامل ہے۔ غزل کے تمام بڑے اور قابلِ ذکر شاعروں نے کسی نہ کسی رنگ میں المیہ احساسات کی ترجمانی ضروری کی ہے۔ اگر چہ ایسی غزلوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوگی، جنھوں کلی طور پر المیہ کہا جاسکے (مولانا روم کا دیوان شمس تبریز اس سے مستثنٰی ہے۔ جس کی زیادہ تر غزلیں حزنیہ اور المیہ ہیں) کلی طور پر' طربیہ غزل' بھی شاید ہی کسی بڑے غزل گو کا فنی مطمح نظر رہا ہے۔ غزل کے شاعر کو روایتاً ہی سہی غم کا بیان ضرور کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے رنج والم کے جذبات واحساسات کو جو نسبت صنف غزل سے ہے کسی اور صنف شاعری سے نہیں۔ اردو غزل کا فکری وفنی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ غزل میں المیہ مواد اور الم پسندی کی طویل روایت کے چار نمایاں اسباب ہیں۔

1. ہیئتی توارث
2. فارسی غزل کی فکری، جذباتی اور جمالیات تشکیل کے تاریخی اسباب
3. تصوف کی روایت کے حزنیہ عناصر
4. اُردو غزل اور اُردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر[12]

عربی لفظ غزل کے معنی عورتوں سے حسن وعشق کی باتیں کرنا ہے۔ غالباً اردو، فارسی اور عربی کے سبھی لغات کے یہی معنی نکلتے ہیں۔ البتہ تغزل یا غزلیت یعنی' ایک خاص انداز کا باوقار اور سنجیدہ گداز، جو عشق کی خاص پہچان ہے۔ لغوی اعتبار سے یہ صنف حسن وعشق کی واردات وکیفیات اور معاملات کا ذریعہ اظہار ہے۔[13] غزل اردو فارسی میں ایک صنف، جس کے اشعار کی تعداد مقرر ہوتی ہے اور جسے عموماً ساز کے ساتھ گایا جاتا ہے[14] مجملہ فارسی غزل اگر چہ اپنی موجودہ ہئیت کے اعتبار سے عربی قصیدے کی تشبیب ہی کی قلم ہے۔ ہندوستان میں عربی گو شعراء میں سب سے پہلا نام مسعود سعد سلمان کا نام آتا ہے۔ جو فارسی کے علاوہ عربی اور ہندی میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کے بعد امیر خسرو ہیں جو فارسی کے سب سے بڑے غزل گو شاعر ہیں۔ انہوں نے عربی بھی شعر کہے ہیں ان کے علاوہ قابلِ ذکر عربی شعراء میں نصیر الدین چراغ دہلی، قاضی عبدالمقتدر، احمد تھانیری، شاہ احمد شریفی، سید عبدالجلیل بلگرامی، شاہ ولی اللہ اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم اور بیٹے عبدالعزیز ورفیع الدین نیز محمد باقر مدراسی کے نام شامل ہیں۔[15] کیوں کہ ایران میں غزل عام تھی۔ اس کی نشو ونما کے لئے تاریخی اور نفسیاتی اسباب وعوامل پہلے سے موجود تھے۔

فارسی غزل کا اولین شاعر شہید بلخی کو تسلیم کیا جاتا ہے جس کا زمانہ چوتھی صدی ہجری ہے البتہ غزل کو ترقی رودکی اور عنصری نے دی لیکن محبت، محبوب اور شراب کی مثلث کو کثیر الاضلاع بنانے میں سنائی اور دوسرے صوفی شعراء نے بھرپور کردار ادا کیا۔[16] یہی دیگر دانشوروں کا ہے اردو غزل کے تاریخی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صنف اُردو میں فارسی شعر وادب کے اثر سے آئی اور فارسی میں عربی قصیدے کی تشبیب سے الگ ہو کر وجود پذیر ہوئی۔ علامہ شبلی نعمانی کے خیال کے مطابق یہ بار بار لکھا جاچکا ہے کہ ایران میں شاری کی ابتدا قصیدہ سے ہوئی اور ابتداء میں غزل جو طبع سے نہیں، بلکہ اقسام شاعری کے پورا کرنے کی غرض سے وجود میں آئی۔ قصیدہ کی ابتداء میں عشقیہ شعر کہنے کا دستور تھا، اس حصے کو الگ کر لیا تو غزل بن گئی، گویا قصیدہ کے درخت سے ایک قلم